

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اشارات

دین خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے اور اس میں انسانیت سے محبت کی روح کام کرتی ہے۔ دین خدا کی محبت کا سرچشمہ دلوں میں جاری کرتا ہے اور پھر اس سے محبت صداقت اور محبت انسانیت کے دھارے بہ نکلتے ہیں۔ محبت انسانی کی معراج اخوت ہے۔

فَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ وَ أَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

ترجمہ: پھر اُس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت بھردی اور تم بھائی بھائی بن گئے۔

حضورؐ نے فرمایا: لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تَوْمَنُوا وَلَا تَوْمَنُوا حَتَّى تَحَابُّوا

ترجمہ: تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم صاحب ایمان نہ بنو اور تم صاحب ایمان نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔

صبر، تحمل، رواداری، ہمدردی، رحم دلی، ایثار، خیر خواہی، مدارات، تواضع، حلم وغیرہ بے شمار خوبیاں ہیں جن کے سوتے سرچشمہ محبت ہی سے پھوٹتے ہیں۔ بصورت دیگر اگر نفسانیت کی گدلا ہٹ پشتمہ دل میں پیدا ہو جائے تو معجزہ متذکرہ خوبیوں کے بجائے کبر، حسد، نفرت، انتقام، تصادم، اشتعال، غیبت، تشدد، جتنے بندیاں، سازشیں اور اس طرح کے

دوسرے رذائل انسان کی زندگی پر چھا جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ہو سکتے ہیں کہ اپنی ذات کے خول کو بڑا خوشنما بنائے رکھنے کے ماہر ہوں، مگر اس خول میں کوئی نہ کوئی منفی خصلتیں (ایک یا زیادہ) منہی ہوتی ہیں۔ اور بس کبھی کبھی وہ جھلک دکھا کر اپنے لیے شہادت فراہم کر دیتی ہیں۔

آنحضورؐ نے محبت کا ایک تقاضا یہ بتایا کہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرو، جو کچھ اپنے لیے کرتے ہو، یعنی تم اپنے ساتھ کیسا برتاؤ چاہتے ہو؟ تم دوسروں کی طرف سے کس لمحے میں بات کرنا پسند کرتے ہو؟ تم کبر اور تحقیر کو دوسروں کی طرف سے اچھا سمجھتے ہو؟ تمہیں کیا کسی ساتھی کی امانیت مرغوب ہوتی ہے؟ تم کیسا ماں پسند کرتے ہو؟ کیسی عزت اپنے لیے چاہتے ہو؟ کیا تمہیں اچھا لگتا ہے کہ بات پر لوگ تمہیں مجرم ٹھہرائیں؟ کیا تم ضد اور ہٹ دھرمی کے مظاہروں کو پسند کرتے ہو؟ کیا تم کو دھکیں دی جائیں تو تم خوش ہوتے ہو؟ پس جو جواب تم ان سوالوں کا اپنے لیے چاہتے ہو وہی اپنے ہر بھائی کے لیے چاہو۔

محبت ذریعہ ہم آہنگی ہے، محبت ایک دوسرے کا احترام سکھاتی ہے، محبت دلوں کو جوڑتی ہے، محبت ازالہ مشکوک و شبہات کا ذریعہ بنتی ہے، اور محبت پر ذہنی صحت مندی اور کردار کی مضبوطی کا انحصار ہے۔

محبت ہو تو آدمی اپنے اقربا اور رفقاء کی خوبیوں اور ان کے فضائل کی قدر کرتا ہے۔ ان کی کمزوریوں سے درگزر کرتا ہے، اور اگر کسی کمزوری کی اصلاح مطلوب ہو تو ایسے خیر خواہانہ اسلوب سے ملتا جلتا اور بات چیت کرتا ہے کہ اختلافات کے پہاڑ روٹی کی طرح اُڑ جاتے ہیں۔

محبت دوسروں کے دلوں کو نرم کر دیتی ہے اور محبت ذہنوں کے بند دروازے کھول دیتی ہے۔ کسی کو بھائی کہہ کر (اور حقیقتاً سمجھ کر) بلانا، پاس بٹھانا، خود اُس کے پاس چلے جانا، اس کے شکوک دور کرنا، اُس سے شکایت ہو تو خوبصورت طریق سے بیان کرنا، سب کچھ بہترین نتائج کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

محبت ہوتی ہے تو آدمی دوسرے بھائی کو معاف کرنے کے لیے باسانی رضا مند ہو جاتا

ہے اور محبت ہی یہ ترغیب بھی دلاتی ہے کہ ایک شخص خود آگے بڑھ کر دوسرے سے اپنی کسی غلطی پر معافی مانگے۔

محبت سے دل مالا مال ہو تو وہ کسی دوسرے کی کمزوری دیکھنے سے پہلے اپنے احوال دروں اور اعمالِ ظاہر پر بھی نظر ڈال لیتا ہے۔
محبت دوسروں سے خراج نہیں مانگتی بلکہ وہ اپنی طرف سے دوسروں کے لیے ایثار کرتی ہے۔

محبت ہو تو آدمی اپنے سے اوپر والوں کا احترام کرتا ہے اور اپنے سے نیچے والوں سے شفقت رکھتا ہے۔

محبت احترام آدمیت پیدا کرتی ہے اور ایک بھائی بڑے سے بڑے مرتبے پر ہو کر بھی کسی کو چھوٹا اور ادنیٰ قرار نہیں دیتا۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے، اور سارے انسان اس کے دیئے ہوئے اعزاز سے مالا مال ہیں، خصوصاً وہ لوگ جو کلمۃ اللہ کے قاتل ہوں، وہ چاہے امیر ہوں یا فقیر ایک خاندان ہیں۔

محبت ہو تو سینے میں کسی کے لیے کینہ بھرا نہیں رہ سکتا۔ اور سینہ بے کینہ سے جو بات نکلتی ہے وہ اثر رکھتی ہے۔

محبت دعوتِ حق کو پھیلانے کے لیے بھی اشد ضروری ہے۔ جو شخص یہ کام کرنا چاہے اس میں اتنا حوصلہ ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کی طرف سے نہ صرف تنقید اور اعتراض ٹھنڈے دل سے سنے بلکہ ان کی بدکلامی اور یا وہ گورٹی بھی برداشت کرے۔

محبت کا جوہر یاس ہو تو آدمی دشمنوں سے بھی بات کرنے سے نہیں جھجکتا۔ لیکن اگر لوگوں سے نفرت ہو تو پھر بہترین دلائل بھی کارگر نہیں ہوتے۔

محبت کی فضا میں دلائل کا وزن اور بڑھ جاتا ہے۔ سبب کسی کو یقین ہو کہ ایک ایسا شخص مجھ سے بات کر رہا ہے جس میں نہ کبر ہے، نہ تحقیر ہے، نہ وہ کسی اونچائی پر کھڑا ہو کر بول

رہا ہے، بلکہ وہ مجھ تک محض اس لیے ایک پیغامِ فلاح پہنچا رہا ہے کہ اُس کے دل میں میرے لیے محبت اور غیر خواہی ہے تو وہ بات سنتا ہے اور اس سے اثر لیتا ہے۔ اگر فوراً نہیں تو کچھ مدت کی مساعیٰ پے پے کے نتیجے میں اس کے اندر تبدیلی نمودار ہوتی ہے۔

لوگ جب ایک دعوت کے علمبرداروں میں ایک مدت تک محبت کا نور جلوہ فرما دیکھتے ہیں، کوئی جھگڑا اُن کے سامنے نہیں آتا، کوئی گالم گلوچ اور ہاتھ پائی نہیں ہوتی۔ اختلافات پھر سرکشی کا تماشا دکھائی نہیں دیتا۔ کہیں وہ اُن کو ایک دوسرے کے خلاف غیبت کرتے اور غائبانہ طور پر الزام لگاتے نہیں دیکھتے ہیں، کہیں وہ اُن کی الگ الگ لولیوں میں کھسکھسے کا دور چلتا نہیں پاتے تو پھر وہ ایسے لوگوں کے مجموعی طرزِ عمل سے متاثر ہو کر آہستہ آہستہ اُن کے قریب ہوتے اور اُن کی دعوت قبول کرتے ہیں۔

صاحبِ دعوت کے طرزِ عمل کے کسی پہلو میں محبت کے بجائے اگر نفسانیت کا رُفنا ہوتا ہے تو خوشنما سحرانہ لفاظیوں سے اقل تو کوئی بڑا نتیجہ نہیں نکلتا اور اگر اتکا دکا افراد جذباتی اثر لے بھی لیتے ہیں تو اندر پھپھی ہوئی غلطیوں کے وہ جس قدر قریب جاتے ہیں اور اُن کی بدبو اور سطر اند محسوس کرتے ہیں تو وہ یا تو ساتھ چلتے ہوئے خود بھی بگڑتے ہیں اور دوسروں میں بھی مزید بگاڑ پیدا کرتے ہیں، یا پھر وہ کوسوں دُور بھاگ جاتے ہیں۔ اور پھر کوئی خوشنما نعرہ اور کوئی پر جوش مظاہرہ اُن کو کھینچ کے واپس نہیں لا سکتا۔

محبت میں انسانوں کے لیے کشش ہے۔ بیوی بچوں کے دائرے میں، پڑوسیوں اور دوستوں کے دائرے میں، رفیقوں اور ہم سفرؤں کے دائرے میں، ایک دفتر اور ایک ادارے میں بل کہ کام کرنے والوں کے دائرے میں۔ محبت نہ ہو تو آدمی کی شخصیت دوسروں کو دُور دھکیلنے کا سبب بن جاتی ہے۔

یہ کشش جب کم ہو جاتی ہے تو لوگ چھوٹے چھوٹے قواعد اور سلبطوں کی کسی ایک تعبیر پر اڑے کر مشکلی سے حاصل شدہ قیمتی افراد کو پل میں دُور پھینک دیتے ہیں، حالانکہ اہلِ دعوت کا اصل کام یہ ہے کہ وہ محض سب سے خوبیاں رکھنے والے انسانوں کو بھی اپنی طرف کھینچیں، پھر اور قریب کریں، یہاں تک کہ اُن کو جذب کر لیں۔

پس خدا کے دین کی دعوت دینے والے لوگ اگر الفتِ قلوب اور مقامِ اخوت تک پہنچنے میں کرتا رہ جائیں تو وہ درحقیقت اپنی دعوت اور مقصد کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

محبت خود اجتماعیت کی بھی ضرورت ہے۔

اول تو قسم قسم کے کبر اور طرح طرح کی کدورتیں رکھنے والے لوگ کبھی جمع ہو کر کوئی ٹھوس نظم بنا ہی نہیں سکتے، لیکن اگر بنا بھی لیں تو اسے چلا نہیں سکتے، اور اگر انہیں پہلے سے کوئی بنا بنایا دینی نظامِ محبت و اخوت مل جائے تو وہ اپنے طرزِ عمل کے چند جھٹکوں سے اس کے بھی انحراف پنچر کو ہلا کر رکھ دیں گے۔

وہ بھی محبت ہی ہوتی ہے جو رہنماؤں اور ذمہ دار اصحاب کے سامنے ارکان اور کارکنوں کو جوڑتی ہے اور اُن کے دلوں میں اپنی صفِ اول کا خاص احترام پیدا کرتی ہے۔ جو اباً رہنماؤں اور ذمہ دار حضرات کا بھی فریضہ یہ ہے کہ اُن ارکان اور کارکنوں سے مشفقانہ محبت رکھیں جن کے جوڑنے سے اجتماعیت کی ایک مشینری بنی اور چل رہی ہے اور ان میں سے ہر فرد اُن کی بڑائی اور عظمت اور ان کے احترام کا اعتراف کرتے ہوئے اور ان سے محبت رکھتے ہوئے اُن کے احکام کو تسلیم کرتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ عاید و اکابر کو کبھی نہ کبھی کسی خدائی کا ازالہ کرنے کے لیے سخت احکام بھی دینے پڑتے ہیں۔ اور وہ سب محبتِ صداقت اور محبتِ اجتماعیت کی وجہ سے ہوتے ہیں، مگر دین کے لیے جو رضا کارانہ اجتماعیت کام کر رہی ہوتی ہے اس میں اگر اکثر و بیشتر تحکم کا انداز اختیار کیا جانے لگے، لوگوں کی بات نہ سنی جائے، اُن کی معقول شکایات کا اعتراف نہ کر کے اصلاح کرنے کا جذبہ نہ ظاہر کیا جائے، اُن کو اطمینان بخش جواب نہ دیئے جائیں، ان کے جائز حقوق کو وزن نہ دیا جائے، اُن کے سامنے انصاف کا برتاؤ نہ کیا جائے تو آہستہ آہستہ پھر سارا نظامِ سمع و طاعت ایک مشینی سیاست کاری بن جاتا ہے، جس میں بے جان پرستے مل جل کر ایک حرکت کرتے ہیں، مگر ان میں انسانی نظم کی اصل روح باقی نہیں رہتی۔

لوگ اگر تنقید و احتساب کریں تو محبت باہمی کا تقاضا یہ ہے کہ خندہ پیشانی سے ان کے احساسات کو معلوم کیا جائے۔ کوئی غلط فہمی ہو تو انہیں مناسب طور سے بات سمجھا دی جائے، اگر ان کے اٹھائے ہوئے نکات کا کوئی جزو بھی برحق ہو تو ان کے سامنے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کا اعتراف کیا جائے یا کسی خرابی یا کمزوری کے ازالے کی فکر کی جائے، بلکہ علوم و مرتبہ تو یہ ہے کہ خود دعوتِ تنقید و احتساب دی جائے اور اگر کوئی بات کرنے میں بھجکے تو اس کی بہت افزائی کی جائے کہ دل جمعی سے اپنی پوری بات کہو۔

اجتماعیت کی لازمی صورت شورائیت ہے۔ اس سطح پر بھی جب دس پچاس افراد یک جا ہوتے ہیں تو پیش نظر موضوعات پر لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ اندازِ بیان مختلف ہوتے ہیں، لب و لہجہ مختلف ہوتا ہے۔ ایسی مجالس میں تنقید و احتساب کے مراحل بھی آتے ہیں، لیکن یہ ساری چیزیں جس قوت سے صاف ہو جاتی ہیں وہ دلائل و حقائق کے اندر کام کرنے والی محبت ہوتی ہے۔

اجتماعیت میں کبھی کبھار خاص خاص نزاعات بھی نمودار ہوتے ہیں اور ان کو یا تو مصالحاً طریق سے حل کرنا ہوتا ہے یا عدالتی طریق سے۔ اور ہر دو طریقوں میں وہی جذبہ محبت، محبتِ خدا اور محبتِ صداقت اور محبتِ رفقاء کا رفرما ہونا چاہیے۔ ایسی کارروائی میں ہر فریق کو یہ احساس ہو کہ اس کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے اور کسی شخص کے ساتھ عمر یا علم یا عہدے کی بنا پر کوئی خاص رعایت روا نہیں رکھی گئی ہے، نیز کسی کی غلطی کے بالمقابل اس کی خدمات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اس جوہر محبت سے خالی جب کوئی شخص میدان میں آتا ہے تو اچھی خاصی اجتماعیت کو بکھیر دیتا ہے اور جب کوئی دوسرا شخص پیکرِ محبت بن کر ذمہ داری سنبھالتا ہے تو بکھرے ہوئے تارے مل کر پھر یکشاں بن جاتے ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ مجموعی طور پر ہمارا دعوتِ دین کا کام اور اقامتِ دین کی خرابکب اور اس کے لیے اجتماعیت کا دروبست متذکرہ جذبہ محبت ہی کے بل پر چل رہا ہے اور وہی ہم سب کو جوڑنے والی روح ہے۔

یہ گفتگو تو محض برائے تذکرہ ہے کہ انسانیت کو پروان چڑھانے والے اس مادہ پرستانہ دور میں ہم خدا کی محبت، صداقت کی محبت اور انسانوں (خصوصاً رفقاء مقصد) کی محبت کا سرمایہ اپنے خزانہ نوح میں کم نہ ہونے دیں۔

یہ یاد دہانی اس لیے ضروری معلوم ہوتی کہ خود ہمارے وطن میں زبردستی، عیش پسندی، جرائم، قتل و غارت، تباہ کاریاں، تحریشی کارروائیاں اور بات بات پر تشدد و انتقام عام ہو رہا ہے۔

ادھر جس انسانیت کی محبت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کی اصلاح کی ذمہ داری بھی سنبھالیں وہ سپر پاورز اور جدید مادہ پرستانہ تہذیب کے تسلط سے زار و نزار ہو چکی ہے۔ علم جہالت کی نئی تاریکیاں سافہ لایا ہے۔ سائنس نے انسان کو عقل پرستی کی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے، ٹیکنالوجی نے اپنے صنم کردے میں اسبابِ تعیش کے سامانوں کے ثبت بنا کر رکھ دیئے ہیں اور ان کی پوجا کرائی جا رہی ہے۔ عورت کو آزادی اور ترقی اور مساوات کے نام پر گھروں سے نکال کر سرمایہ دار کے روپے کے زور سے اسفلت کی انتہائی گندگیوں میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ ملکوں کے ٹکڑے ہو رہے ہیں، قوموں کو لٹا یا جا رہا ہے۔ اسلحہ کے انبار لگائے جا رہے ہیں۔ جرائم کا وہ زور ہے کہ کسی گندے ہوئے دورِ وحشت میں بھی نہ تھا۔ ہر وعدے میں نکر کی آمیزش اور ہر دوستی میں دشمنی کا زہر شامل ہے۔ نہ قوموں کو قوموں سے محبت ہے اور نہ افراد کو افراد سے۔ ادبی تحریروں میں بڑے اینچ پیسج ہوتے ہیں، صحافتی نگارشات میں نت نئے تعناد و رونا ہوتے ہیں، حکام اور لیڈروں کے انٹرویو اور بیانات اور پھر حریفانہ جواب اور پھر تردیدیں ایک ایسا گرداب پیدا کرتی ہیں جس میں سچائی کی کشتی تو بالعموم ڈوب جاتی ہے، ہاں کچھ طبلے پانی کی سطح پر ایسے رہ جاتے ہیں جو بڑے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔

آج کے معاشروں میں سیدز میزوں کا میٹھا تنہا رہ گیا ہے یا سیدز گراں کا مصنوعی تبسم۔

کہ ارمی کے تمام انسان قسم قسم کی انسانی خدنیوں کے پجاری ہیں اور سب سے پر خوت و غم
عسرت و اربان، یاس و قنوط، قلق و اضطراب اور انتشار و التباب کی وباؤں کا شدید
حملہ ہے۔

اس قسم کی فضا کے محافظوں کے خلاف کبھی اگر جہاد بھی کرنا پڑتا ہے تو اس میں ان
ہزار ہا انسانوں کو بچانے کے لیے محبتِ انسانیت کا کام کر رہی ہوتی ہے جو اس فضا میں
پس رہے ہوتے ہیں۔

اے وہ لوگو جو ساری نوعِ انسانی کو کینہ و نفرت اور مفاد و تعیش اور تشدد و جرم سے
بھری ہوئے اس ماحول سے بچاؤ کا چاہتے ہو، خدا کے لیے تارکی میں ڈوبی ہوئی
انسانیت کے سامنے محبتِ خدا اور محبتِ صداقت اور محبتِ انسانیت کے چراغ روشن
کر دو۔

اگر تم نے خود اپنے اندر یہ چراغ گل کر لیے، اپنے ہی دلوں کے گرد دھواں دھاری
پیدا کر دی اور آہستہ آہستہ تم خود ہی بحرِ ظلمات میں ڈوبنے لگ گئے تو پھر اربوں انسانوں
کو کون سہارا دے گا۔

”كُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا“

خواتین کیلئے تین خوبصورت کتابیں

- | | | |
|-------------------------|------------------|-----------|
| ۱۔ شمعِ حرم | محمد یوسف اصلاحی | ۱۲/- روپے |
| ۲۔ عورت اور اسلام | جمال الدین عمری | ۹/- |
| ۳۔ عورت قرآن کی نظر میں | شمیمہ محسن | ۱۲/- |

المبداء پبلی کیشنز - ۲۳ - راحت مارکیٹ - اردو بازار لاہور